

قومی کردار

قومی کردار کے متعلق بامعنی اور تعمیری بحث کرتے وقت ہمیں مندرجہ ذیل سوالوں پر غور کرنا ہو گا۔ قوم کی تعریف کیا ہے؟ کردار کے معنی کیا ہیں؟ قومی کردار کیسے تشکیل پاتا ہے؟ وہ کون سے بنیادی عوامل ہیں جو ہمیں ایک قوم بناتے ہیں؟ اور پاکستانی قوم میں اعلیٰ اور بہترین پایہ کے قومی کردار کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

قوم کیا ہے؟

قوم افراد کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جو ایک مشترک نظریہ حیات پر یقین رکھتے ہوں کسی قوم کا نظریہ حیات اس قوم کے مخصوص نفسیاتی اور تعلیمی ماحول کے مطابق مطلوبہ اوصاف یا اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک قوم اس لئے قوم ہے کہ وہ قومی انداز میں سوچتی ہے اور اس کی سوچ اس لئے قومی ہوتی ہے کہ اس کے تمام افراد اس نظریہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ قومی نصب العین یا آئیڈیل کے اجزائے ترکیبی میں نسل، زبان، رنگ، ثقافت، تاریخ، عقیدہ و مسلک اور فلسفہ یا مذہب خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی آئیڈیل میں یہ تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اور کسی میں بعض۔

کردار کے معنی؟

کردار کو ذہن نشین کرنے سے پہلے ہمیں نظریہ حیات کی مزید وضاحت کرنا ہو گی۔ کردار سب سے پہلے فرد کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق کسی نہ کسی نظریہ حیات کو اپنانے پر مجبور رہے جو مندرجہ ذیل پانچ شرائط پوری کرتا ہو۔

- ۱۔ وہ نصب العین دوسرے تمام نظریات سے زیادہ پُرکشش اور محبت کے لائق ہو۔
- ۲۔ اس میں اتنی جاذبیت ہو کہ فرد کے جملہ خیالات پر چھا جائے۔ اُسے ایک مثالی آدرش بنایا جاسکے۔
- ۳۔ یہ آئیڈیل بلند ہو یا پست، دلکش ہو یا قابلِ نفرت، صحیح ہو یا غلط، مکمل ہو یا نامکمل، عالم گیر ہو یا علاقائی تاہم فرد کے لئے اس میں دلکشی، پسندیدگی اور سچائی کی وہ جملہ خوبیاں موجود ہوں، جو اس کی یا دوسروں کی نظر میں کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔

۴۔ جو فرد کے لئے ایک ایسے پیمانہ، معیار اور کسوٹی کا کام دے سکے جس پر صحیح اور غلط، اچھے اور بُرے، خوبصورت اور بدشکل کو پرکھا جاسکے۔ جو یہ بتا سکے کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کون سی کو مسترد جس سے یہ پتہ چل سکے کہ کون سی چیز محبت کرنے کے لائق ہے اور کون سی قابلِ نفرت۔ جو یہ بتا سکے کہ کون کون سے کام کرنے کے ہیں اور کن کن کاموں سے پرہیز بہتر ہے۔

۵۔ وہ نظریہ شخصی زندگی پر اس طرح حاوی ہو جائے کہ اس کی تمام سرگرمیاں اسی کے تابع ہو جائیں۔ عادات و خصائل، عقائد و اعمال، خیالات و جذبات، مرغوبات و میلانات، آرزو اور خواہشات، عزائم و ہر چیز پر اس نصب العین کی گہری چھاپ ہو۔

۶۔ انہی چیزوں سے شخصی کردار نشوونما پاتا ہے۔ انسانی کردار فطرتاً ترقی پذیر ہوتا ہے۔ جوں جوں اس کے شعور و آگہی کی سطح بلند ہوتی ہے اور اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرتا ہے، اسی حساب سے اس کا کردار ترقی کرتا ہے۔ کردار کی بنیاد چونکہ نظریے پر ہوتی ہے، اس لئے ایک شخص کا نظریہ حیات جس قدر بلند یا پست چھایا بُرا، دلکش یا بھونڈا ہوگا، اسی قدر اس کا کردار بلند یا پست، اور اچھا یا بُرا ہوگا۔

ذہنی کردار کیسے ابھرتا ہے ؟

چونکہ ایک قوم کے تمام افراد کسی ایک مشترک نظریے کے قائل اور پیروکار ہوتے ہیں۔ اس کی بقا اور ارتقاء کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے اندر مشترک عادات و خصائل، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات، امنگ و خواہشات ترقی کر کے کردار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر قوم پناہ کا گناہ کردار رکھتی ہے۔ جس کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے۔ جب اس نصب العین پر عملی زندگی کی عمارت مبرک کی جاتی ہے تو وہ قومی آئیڈیل بن جاتا ہے۔ اسی لئے ہر قوم کو ایک نظریاتی گروہ کہتے ہیں تو میں یا نظریاتی فرقے

نفسیاتی طور پر اسی طرح ترقی کرتے ہیں جس طرح مختلف عناصر حیاتیات کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ جیسے ہر عنصر اپنا منفرد وجود اور خاص خصوصیات رکھتا ہے۔ بعینہ ہر قوم اپنی جداگانہ نظریاتی حیثیت یا کردار رکھتی ہے۔

وہ کون سے فطری عوامل ہیں جو ہمیں ایک قوم بناتے ہیں ؟

ہم محض اس لئے ایک الگ قوم نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصنوعی حالات نے ہمیں ایسا بنا دیا ہے، بلکہ اس لئے ایک قوم ہیں کہ بعض قدرتی اسباب اور فطری عوامل ہماری قومیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ مسلمان قوم کی تعمیر کرنے والے یہ عوامل (دوسری قوموں کی طرح) علاقائی زبان، نسل، رنگ، ثقافت یا تاریخ نہیں بلکہ اسلام کے اس زندہ عقیدے پر سچے یقین ہے۔ جس کا بنیادی پیچہ خدائے واحد پر ایمان لانا ہے۔ ہمارا وطن پاکستان بھارتی لٹماٹ سے کئی خطوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے ہر خطہ اپنی جداگانہ ثقافت، تاریخ اور زبان رکھتا ہے۔ ایک خطہ (مشرقی پاکستان) دوسرے چار خطوں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اندر میں حالات اگر ہر خطہ اپنی علاقائی زبان، تہذیب و ثقافت، تاریخ یا نسل کو اپنی توجہ کا مرکز اور قومی آئیڈیل بنالے تو قومی کردار کی تعمیر کیسے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر تمام خطے اسلامی نظام حیات کو مشترکہ آئیڈیل کے طور پر اپنائیں تو نہ صرف علاقائی زبان، نسل، تہذیب و ثقافت اور تاریخ و تمدن کے بُت پاش پاش ہو جائیں گے بلکہ ملی شعور اور قومی کردار بھی فروغ پائے گا۔

پاکستانیوں میں اعلیٰ اور بلند پایہ قومی کردار کیسے فروغ پاسکتا ہے ؟

اس سوال کا جواب ہم ”کردار کی تعریف“ کے ضمن میں دے چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قومی کردار ان عادات و خصائل، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات اور امنگ و خواہشات کے مجموعہ کا نام ہے، جو کسی قوم کے افراد میں مشترک طور پر پائے جاتے ہوں اور ان کی بنیاد ایک مشترک نصب العین پر ہو۔

اس سے ظاہر ہو کہ اگر ہم اپنے قومی کردار کی تشکیل اعلیٰ اور بلند ترین پیمانے پر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک اعلیٰ ترین مقصد حیات اور بلند ترین آدرش کو قومی نصب العین بنانا ہو گا۔ ہمیں ایک ایسا مثالی نظریہ اختیار کرنا ہو گا جو ہر لحاظ سے دلکش، جاذب نظر اور درست ہو۔ وہ نظریہ ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے

یعنی اسلام کا نظریہ توحید۔ ہم اس سے زیادہ بلند، بہتر، مکمل، سچے اور عالمگیر نظریے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔
پس اگر ایک طرف ملک کے جغرافیائی حالات کے تحت اسلامی ضابطہ حیات کو قومی آئیڈیل کے طور پر اپنانا ہماری سیاسی ضرورت ہے تو دوسری طرف اعلیٰ درجے کا قومی کردار پیدا کرنے کے لئے ہماری نفسیاتی ضرورت بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری فطرت کے بغیر مستحکم اصول بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ بلند مرتبہ قومی کردار صرف اسی صورت میں ابھر سکتا ہے جب ہم اعلیٰ ترین اصولوں کو قومی نصب العین بنائیں اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ نصب العین صرف اسلام ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات کو قومی آئیڈیل بنانے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ خدا پر ہمارا غیر متزلزل اور مستحکم یقین ہو۔ یہ اس یقین ممکن ہی کا کرشمہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے سے کہیں طاقتور اور بااثر انگریز اور ہندو قوم سے ٹکرائی اور اپنی جدوجہد میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کر کے پاکستان بنالیا۔ اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے نظریہ سے جنوں کی حد تک پیار کریں۔ ہماری زندگی کے سیاسی، اخلاقی، عسکری، قانونی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی غرضیکہ تمام شعبوں میں اسے فیصلہ کن طاقت کا مقام حاصل ہو۔ ہم جن قدر جلد یہ قدم اٹھا سکیں ہمارے حق میں اسی قدر بہتر ہے۔

جب ایک آورش یا آئیڈیل کے ساتھ کسی فرد یا قوم میں سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے تمام عقائد و نظریات، خیالات و محسوسات، میلانات و مرغوبات، عادات و اطوار، علم و عرفان، ارادے اور طریق کار، انگ و خواہشات پر اس آئیڈیل کی گہری چھاپ لگ جاتی ہے۔ گویا ایک نصب العین شخصی یا قومی کردار کی اسی طرح تعمیر کرتا ہے، جس طرح مناسب کاشت اور آبپاشی سے ایک بیج کا دارنہ تناور درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مناسب تعلیم و تربیت سے ہم قومی آئیڈیل کو قومی کردار میں ڈھال سکتے ہیں۔ ایک بیج سے وہی پودا اگتا ہے جس کی قوت نواں بیج میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم ایک قومی نصب العین منتخب کر کے اسی نوعیت کا قومی کردار پیدا کر سکتے ہیں جس کی صلاحیت اس نصب العین میں ہوگی۔ خدا کا تصور اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ واحد نظریہ حیات ہے، جس سے بہترین اور اعلیٰ پایہ کا قومی کردار فروغ پا سکتا ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہمیں اسلام کے محض مسلمہ اخلاقی اصولوں مثلاً مساوات انسانی، آزادی انصاف، صداقت، انوخت، جرأت، بردباری اور دیاننداری وغیرہ کو اپنالینا چاہیئے اور نظریہ توحید پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اس سے قومی کردار کی تشکیل میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔ لیکن ایسا کرنا ہمارے لئے

عملاً ناممکن ہے کیونکہ مسئلہ عالمگیر اخلاقی اصول نظریہ توحید کی اسی طرح وکالت کرتے ہیں جس طرح کسی درخت کا بیج خاص قسم کے پتوں اور پھولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص تازہ اور بھکتے ہوئے پھولوں کا شوقین ہے تو اسے خود اپنے باغ میں ان پھولوں کا پودا لگانا اور اس کی نگہداشت کرنی ہوگی ورنہ اسے باسی، پژمردہ اور کاغذی پھولوں پر اکتفا کرنا پڑے گا جس طرح پھول درخت سے ٹوٹنے کے بعد مچھا جاتے ہیں، اسی طرح سچے اور عالمگیر اخلاقی اصول اپنے اصل سرچشمہ توحید سے کٹنے کے بعد مردہ اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کسی شخص سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان اخلاقی اصولوں کی پیروی کرے تو پہلے ہمیں یہ تسلی کرنی ہوگی کہ وہ خدا کو آئیڈیل بنائے اور اس آئیڈیل سے سچا اور بھرپور پیار کرے۔ چونکہ سچے اور عالمگیر اخلاقی ضابطوں کا منبع دوسرے نظریہ توحید ہے اس لئے ان پر وہی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے جو اس نظریے کا قائل اور چاہنے والا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق کسی نہ کسی نظریے سے محبت کرتا ہے۔ اگر اسے نظریہ توحید پسند نہیں تو لازماً اس سے فروتر کسی دوسرے نظریے کو اعمال کا مرکز بنائے گا اور اسی کو ایسا معیار مان لے گا جس پر بُرے اور بھلے، سچے اور جھوٹ، دلکش اور بدنما کو پرکھا جاسکے۔ اسی نظریے کی روشنی میں وہ یہ طے کرے گا کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کس کو مسترد، کس سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت، کونسا کام کیا جائے اور کونسا نہیں۔ اگر ایسا شخص زبان سے اخلاقی اصولوں کی پیروی کا دم بھرتا ہے تو سمجھ لو یا تو وہ دانستہ اپنے باطل نظریات کو چھپا رہا ہے یا ان کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے۔ یعنی اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مار رہا ہے۔ جس طرح ہم بول کے درخت سے آم حاصل نہیں کر سکتے، بالکل اسی طرح غلط نظریہ حیات کو اپنا کر اچھے قومی کردار کی توقع نہیں کر سکتے۔

بظاہر، برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ اور دنیا کے دوسرے غیر کمیونسٹ ممالک میں خدا پر ایمان ایک مسئلہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم وہاں خدا کو آئیڈیل کا درجہ حاصل نہیں، ان کا آئیڈیل سیکولر نیشنلزم ہے۔ ان کے نزدیک سیکولر نیشنلزم آئیڈیل کی ان پانچوں شرطوں پر پورا اترتا ہے جو ہم ابتدا میں بیان کر آئے ہیں نظریہ توحید ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انگریز قوم کی اکثریت اگرچہ خدا کو مانتی ہے لیکن عملاً نیشنلزم ان کے نزدیک تمام نظریات سے بالاتر اور پسندیدہ ہے اور نظریہ توحید کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ان کے تمام اعمال و افعال، عقائد و نظریات، اقدار و روایات اور جذبات و میلانات کا معیار نیشنلزم (جذبہ قومیت) ہے۔ یہ کہ خدا کا تصور اگر کسی معاملے میں دینی تقاضے قومی تقاضوں سے متصادم ہوں تو انگریز قوم بے دھرم کی بنی تقاضوں

پر قومی تقاضوں کو ترجیح دیتی ہے۔ ایک لادین اور مشنلزم کی پجاری قوم سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

پاکستان میں متعدد مذاہب کے پیرو موجود ہیں مثلاً مسلمان، عیسائی، ہندو اور پارسی۔ اس لئے ہمیں ریاست کے سرکاری فلسفہ میں توحید اور اس سے وضع کئے گئے ان معروف و مسلمہ اخلاقی اصولوں کو شامل کرنا چاہیئے۔ جن کے بارے میں مختلف مذہبوں کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں۔ ایسا کرنا نہ صرف ملکی حالات کا تقاضا ہے بلکہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق۔

چنانچہ اس سلسلے میں قرآن پاک کہتا ہے۔

”اے اہل کتاب! اُس اصول کی طرف لوٹ آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدر مشترک ہے۔ یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اپنے ہم جنسوں کو اپنا آقا و مالک نہیں مانتے۔“

اس کا ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ ہم سرکاری طور پر ایک ایسے بنیادی اور مشترک اصول کو اپنے نظریہ حیات کی اساس بنالیں گے جو پاکستان کے تمام مذہبی فرقوں کے فلسفہ حیات کا سنگ بنیاد ہے۔ اس طرح تمام مذہبی فرقوں کے اہم ترین جذبات — مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر سارے فرقوں کو ایک متجانس (Homo-GENOUS) قوم میں ڈھال سکیں گے۔ پوری قوم کا ایک مشترک آئیڈیل ہو گا، جسے اپنانے میں ہم مترت اور فخر محسوس کریں گے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی اختلافات پر اس حد تک قابو پایا جائے گا کہ ہر فرقہ اپنی حد تک انہیں عزیز رکھے۔ اس طرح فرقہ وارانہ کشیدگی اور تلخی ختم ہو جائے گی۔ اس مشترک فلسفہ حیات کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسرے فرقوں کو ان کے مذہب کے مطابق عقیدہ اور عمل کی مکمل آزادی دی جا سکے گی۔ اس سے ایک طرف ہم غیر مسلم اقلیتوں کے عقائد و عبادات میں مداخلت سے باز رہ سکیں گے دوسری طرف اس فلسفہ حیات سے انہیں اضافی مدد ملے گی کہ اس سے ملک کے تمام فرقوں (مسلمان، عیسائی، ہندو، پارسی) کے درمیان یکانگت اور ہم آہنگی بڑھے گی۔ تمام فرقے خدا کے ایک کنبے کی مانند رہ سکیں گے جس میں مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت یا بدخواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ سب فرقے ایک مشترک قومی احساس کے تحت اتحاد اور تعاون کی فضا میں کام کر سکیں گے۔

سچے محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ہمیں اس بات پر خاص توجہ دینی ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری خدا تعالیٰ

پر ایمان کو ایک ایسی زندہ اور فعال قوت بنائے جو اس کی سرکاری و غیر سرکاری سرگرمیوں پر غالب ہو اس کے لئے ہمیں ایک مخصوص نظام اختیار کرنا ہوگا، جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے۔

کسی قوم کے اتحاد، سالمیت اور کارکردگی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی واضح مقصد اور نظریہ حیات ہے یا نہیں؟ اگر کوئی نظریہ ہے تو قوم میں اس کے لئے کتنی تڑپ اور لگن موجود ہے؟ یہ نظریہ ان کے قومی مزاج اور روایات کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اس آئیڈیل میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جو خود بخود لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں۔ اگر اس میں ایسی خوبیاں موجود نہیں تو بڑے سے بڑا معلم بھی اپنے تعلیمی منصوبوں اور انتظامات کے باوجود لوگوں کے جذبات کو اس حد تک سیدھا نہیں کر سکتا کہ لوگ اس نظریے پر فریفتہ ہو جائیں۔ اگر کسی نظریے میں داخلی اور باطنی خامیاں موجود ہیں تو اس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہم پاکستانی اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس ایسا نصب العین موجود ہے جو تمام شرطیں پوری کرتا اور اپنے اندر جملہ خوبیاں رکھتا ہے۔

جو نظریات مصنوعی اور نامنشی طور پر کسی قوم کو عزیز ہوں، انہیں خود ہی قوم چیلنج کر دیتی ہے مثلاً بھارت میں وہاں کی اقلیتوں نے انڈین نیشنلزم کے نظریہ کو چیلنج کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا نصب العین ایک حقیقی اور قابل عمل ہے۔ وہ ہمارے مزاج، روایت اور نفسیات سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ اسے دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں۔ کیونستوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں انسان کی تمام تر ترقی کے باوجود خدا کا تصور آج بھی اتنا ہی ہر دل عزیز، نیا، تازہ اور جلیلت انسانی کے قریب ہے، جتنا پہلے کبھی تھا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بنی نوع انسان کو اس نظریے کی آج جتنی ضرورت ہے شاید ماضی میں کبھی نہ تھی۔

موجودہ دور میں انسانی حالات کا جو مفکرانہ مطالعہ کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قومی نصب العین کے طور پر سیکولر نیشنلزم کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں اور اس کی جگہ انسان اور کائنات کے مختلف نظریات لے رہے ہیں۔ دنیا کی جدید ترین ترقی یافتہ ریاستیں بھی دراصل نظریاتی ریاستیں ہیں جنہوں نے فرد کی راہنمائی کے لئے بزم خویش صحیح یا غلط چند اصول بنائے ہیں۔ ان میں روس اور چین ہی نہیں امریکہ بھی شامل ہے۔ کیونکہ امریکی قوم کے نزدیک جمہوریت نہ صرف ایک بہترین نظام حکومت ہے بلکہ ایک نظام حیات بھی۔ چنانچہ انہوں نے جمہوریت کو قومی آئیڈیل بنا لیا ہے۔ بہت سی قومی ریاستیں جو کسی زمانے میں آسمان سیاست

پر درخشندہ ستاروں کی طرح چمکتی تھیں، آج روبرو زوال ہیں۔ بعض نئی قومی ریاستیں بھی جو ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں، اسی صورت حال سے دوچار ہیں اور تیزی سے کیونزم کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ آج نیشنلزم کی مٹی اس طرح پلید ہو رہی ہے جیسے ماضی میں قبائلی نظام کی ہوتی تھی۔

ارتقا کی تند و تیز لہریں نسل انسانی کو ایک ایسی عالمی ریاست کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی ہیں جس کی اساس انسان اور کائنات کے فلسفہ پر ہوگی۔ ظاہر ہے یہ فلسفہ کیونزم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس بات کو درست تسلیم کر لیں کہ ارتقائی عمل تیزی سے اس نقطہ عروج تک پہنچنا چاہتا ہے جہاں پوری دنیا ایک مکمل معاشرے کی شکل اختیار کرے گی، تو ہمیں یہ بات بھی لازماً ماننا پڑے گی کہ اس معاشرے کی بنیاد ایک مکمل اور جامع نظریے خدا کے تصور پر ہوگی۔ انسانی ارتقا جو دراصل نظریاتی ارتقا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر اہل پاکستان خدا کے تصور کو اپنا قومی آئیڈیل بنالیں تو پاکستان آئندہ وجود میں آنے والی عالمگیر ریاست کا نقطہ اجتماع اور مستقبل کے مکمل ترین معاشرے کا مرکز ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنے قومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان دوسری اقوام کے ساتھ خیر سگالی اور دوستی کے رشتے بھی قائم کر سکے گا۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ ایسے دوستانہ تعلقات اسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں جب عالمگیر ریاست کے شہریوں کو پاکستان پر اعتماد ہو۔ دوسری اقوام کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ اور دیاندارانہ ہو اور عالمی اتحاد قائم کرنے کے لئے خود پاکستان دوسروں کے ساتھ تعاون کرے۔ اگر خدا ترس اور خدا سے محبت کرنے والی قومیں بھی اپنے معاملات میں انصاف پسند، دیاندار، پُر امن اور قابل اعتماد ثابت نہ ہوں، تو دوسری قوموں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

میں اس مقالے کو علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے ارشادات سے دو اقتباسات پر ختم کرتا ہوں جنوری ۱۹۳۸ء میں ”سالِ نو کے پیغام“ میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

”دنیا بھر کے مفکر اور دانشور حیران و پریشان ہیں۔ کیا جدید تہذیب اور ارتقا کا انجام یہی ہوگا کہ انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جائیں اور روئے زمین پر حیات انسانی کا وجود ناممکن ہو جائے۔ یاد رکھو! انسان دنیا میں فقط اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے اور ترقی پاسکتا ہے جب وہ انسانیت کا احترام کرنا سیکھے۔ جب تک انسان، انسانیت کا احترام کرنا نہیں سیکھتا، یہ دنیا خونخوار درندوں کی شکار گاہ بنی رہے گی۔ قوموں کے درمیان صرف وہی اتحاد پائدار اور قابل اعتماد ہو سکتا ہے جس کی بنیاد برابری پر ہو۔ جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان کے امتیازات سے پاک

اور بالاتر ہو۔ جب تک یہ نام نہاد جمہوریت، یہ منحوس نیشنلزم اور یہ ذلیل ملکیت فنا نہیں ہو جاتی اور لوگ اپنے اعمال سے اس یقین کا اظہار نہیں کرتے کہ پوری دنیا خدا کا کنبہ ہے۔ جب تک دنیا میں نسل، رنگ اور جغرافیائی قومیتوں کے بت موجود ہیں، انسان ایک خوشحال اور سکون بخش زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ انوقت، مساوات اور آزادی کے دلکش فرمض ایک دھونگ ہیں۔“

اسی طرح جون ۱۹۴۵ء میں ایک تقریر کے دوران قائد اعظم نے فرمایا۔

”حصولِ پاکستان سے ہمارا مقصد محض آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ اس اسلامی نظریہ حیات کو فروغ دینا ہے جو قدرت کی طرف سے ہمیں قیمتی عطیے اور بیش بہا خزانے کی شکل میں ملا ہے۔ اُمید ہے کہ دوسری قومیں بھی اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گی۔“

اسلامی نظریہ حیات کے فروغ میں دوسری قومیں اس طرح تعاون کر سکتی ہیں کہ وہ بھی اس نظریے کے اہم ترین جز یعنی خدا کے تصور اور اس سے مانوذا عالمگیر اخلاقی اصولوں کو اپنالیں۔ اس لئے صرف یہی نظریہ ہمارے اعلیٰ اور بلند پایہ قومی کردار کی بنیاد بن سکتا ہے۔

(جان ڈیوی کا فلسفہ بقیہ ص ۶۲)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کے یہاں تعلیم کا نصب العین خودی ہے، جس کا وجود وجود حق کے باعث قائم ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

خودی کا سر نہاں لایلہ الا اللہ خودی ہے تیغِ فساں لایلہ الا اللہ

اقبال کے نزدیک جب تک عرفانِ خودی حاصل نہ ہو خدا کا عرفان محال ہے (مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ) خودی کی بقا کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ ذاتِ حق کو اپنے اندر سمو لے۔ واضح ہو کہ ذاتِ حق کو اپنے اندر سمو لینا یا خود اس کی ذات میں مدغم ہو جانے کا منطقی نتیجہ ایک ہی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین چونکہ حق کی ماورائیت کے قائل ہیں اس لئے ان کے نظامِ فکر میں طالب کا مطلوب میں یا مطلوب کا طالب میں مدغم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا تعلیمی نصب العین ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو بحالتِ تنزیہ قائم و دائم ہے۔ اس کے برعکس اقبال کے نزدیک حق تعالیٰ کبھی بحالتِ تنزیہ نہیں ہے اور کبھی بحالتِ تشبیہ۔